برداشت کی جائے۔ کیوں نہ ویلفیئر کو شیر مادر کی طرح ہضم کیا جائے۔

قصہ مختصر زکوٰۃ کا نظام اسلام کے قانونی نظامِ معیشت کا اہم ستون ہے جس سے اس کی ''آزاد معیشت'' سے پیدا شدہ معاشی ناہمواری کا ''داخلی انتظام و انضباط'' بطریق احسن ہو جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صدیوں سے تو مسلمانوں نے اسے ذاتی خیرات کا معاملہ بنا رکھا تھا۔ اپنے دورِ حکومت میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اسے بڑی آن بان اور شان کے ساتھ نافذ کیا تو اس طور سے کہ بس ایک منظم بھکاری پن (Organized Beggary) کی صورت پیدا ہو گئی اور ''بدنام کنندگان نکونامے چند!'' کے مصداق زکوٰۃ کے نظام ہی کو بدنام کر کے رکھ دیا۔

اب ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں شریعت اسلامی کے ان احکام اور اقدامات پر گفتگو ہو گی جن کے ذریعے آزاد معیشت کے اسلامی نظام میں ''سرمایہ کاری'' کی فضا کو بھرپور طور پر برقرار رکھتے ہوئے ''سرمایہ داری'' کی لعنت کو وجود میں آنے سے روکا گیا ہے، جن میں سرفہرست سود کی حرمت ہے۔

سود اور جوئے کی حرمت کی حکمت

الحمدللہ کہ اس سے قبل حسبِ ذیل امور کی کسی قدر وضاحت ہو چکی ہے کہ:

۱) ایمان اور احسان کی سطح پر اسلام کی تعلیمات کا نقطۂ عروج ''اختیاری فقر'' ہے جو گویا روحانی سوشلزم کی بلند ترین صورت ہے۔

۲) عمومی اور قانونی سطح پر اسلام کا معاشی نظام مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے اس بنا پر بھی مشابہ ہے کہ اس میں نجی ملکیت' انفرادی حوصلہ مندی' آزادانہ مسابقت' منڈی کی معیشت اور ملازم رکھنے اور فارغ کر دینے کے اختیار کے وہ جملہ اصول موجود ہیں جن کو رد یا نظر انداز کرنے کی بنا پر کمیونزم کی موت واقع ہوئی اور اس کے مقابلے میں مغرب کے اس سرمایہ دارانہ نظام کو فتح حاصل ہوئی جس نے ان اصولوں کو اختیار کیا۔ اگرچہ وہ اپنی جگہ ایک نہایت ظالمانہ اور استحصالی نظام ہے۔

۳) مزید برآں' یہ مشابہت اس پہلو سے بھی ہے کہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام نے اندرونی اور داخلی انضباط کی جس ضرورت کو بیروزگاری الاؤنس یا ویلفیئر یا اجتماعی انشورنس کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کی اسے اسلام نے اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع اور زیادہ متوازن اور قابلِ عمل صورت میں زکوٰۃ کے نظام کے ذریعے باحسن وجوہ پورا کر دیا۔

اب آیئے کہ ہدایت خداوندی اور آسمانی شریعتوں یعنی شریعتِ موسویؑ اور شریعتِ محمدیؐ کے ان احکام پر غور کریں جن کے ذریعے خالص عقل انسانی کے اعتبار سے یہ ناممکن الحصول مقصد حاصل ہو جاتا ہے کہ ''سرمایہ کاری'' کی فضا کو بھرپور طور پر برقرار رکھنے کے باوجود ''سرمایہ داری'' کی لعنت پیدا نہ ہونے پائے۔ یعنی دولت کا ارتکاز ایک محدود حلقے میں نہ ہو بلکہ وہ پورے معاشرے میں توازن اور ہمواری کے

ساتھ گردش کرے۔

قرآنِ حکیم نے اس بنیادی مقصد کو سورۃ الحشر کی ساتویں آیت کے ان مختصر ترین الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ﴿کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ﴾ یعنی ''تاکہ وہ (سرمایہ) تمہارے امیر لوگوں ہی کے مابین گردش میں نہ رہے''۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے خالص عقل انسانی کی رسائی کی آخری منزل یا ''معراج'' یقیناً مارکس کا فلسفہ اور کمیونزم کا نظام ہی تھا لیکن وہ حقائق و واقعات کی تجربہ گاہ میں ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مطابق کہ ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے!

عقل کی کوتاہی اور درماندگی کو تسلیم کر لیا جائے اور ہدایت آسمانی کی جانب رجوع کیا جائے۔

آسمانی شریعتوں نے اس مقصد عظیم کو چند مالی معاملات کو حرام اور ممنوع قرار دے کر حاصل کیا ہے جن میں سے Master-Stroke کی حیثیت سود اور جوئے کی حرمت کو حاصل ہے۔ چنانچہ ان دونوں ہی کو قرآن حکیم نے شیطانِ لعین کی جانب منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ سود کے بارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۵ میں فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے روز) نہیں اٹھیں گے مگر اُن لوگوں کے مانند جنہیں شیطان نے اپنی چھوت کے ذریعے پاگل بنا دیا ہو!''

اور سورۃ المائدہ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ میں شراب وغیرہ کے ساتھ ساتھ جوئے کو بھی ان ''ناپاک شیطانی کاموں'' ﴿رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ﴾ میں شمار کیا گیا ہے جن کے ذریعے شیطان انسانوں میں ''عداوت اور بغض'' پیدا کرنا چاہتا ہے۔

تو اگرچہ ایک بندۂ مؤمن کے لئے تو حلت اور حرمت کے معاملے میں صرف اللہ

اور رسول ﷺ کا حکم ہی آخری، قطعی اور حتمی بات ہے جس پر مستزاد کسی عقلی اور منطقی دلیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کچھ لوگوں نے یہ اعتراض وارد کیا کہ ﴿ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ (البقرہ:۲۷۶) ''بیع بھی تو ربا کے مثل ہی ہے'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بیع اور ربا کے مابین فرق و تفاوت کو کسی عقلی اور منطقی دلیل کے ذریعے واضح نہیں فرمایا، بلکہ زجر اور ملامت کے انداز میں فرمایا: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام!'' (اگرچہ اس کا ایک لطیف سبب یہ بھی ہے کہ سود کے گھناؤنے پن کو حرمتِ ربا کے آخری حکم کے نزول سے لگ بھگ پندرہ سال قبل سورۃ الروم کی ایک آیت میں ''عاقلاں را اشارہ کافی است!'' کے مطابق لطیف ترین اور مختصر ترین انداز میں واضح کر دیا گیا تھا، جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا!) تاہم چونکہ عہد حاضر میں عام طور پر لوگ عقلیت پسند سے بھی آگے بڑھ کر ''عقلیت پرست'' بن گئے ہیں، لہٰذا سود اور جوئے کی حرمت کی حکمت و علت کی کسی قدر عقلی وضاحت مناسب ہے۔

اس سلسلے میں یہ خالص فلسفیانہ بحث کہ اصل عامل پیداوار محنت ہے یا سرمایہ، جہاں ایک روزنامے کے کالموں کی حدود سے متجاوز ہے، وہاں انڈا پہلے تھا یا مرغی کے سوال کے مانند لایعنی اور لاحاصل بھی ہے۔ اسی طرح کسی منفعت بخش پیداواری عمل میں کس قدر حصّہ سرمائے کا ہے اور کتنا محنت کا، اس کا یقینی اور حتمی تجزیہ بھی قطعاً ناممکن ہے۔ اصل مسئلے کے فہم کے لئے اس سادہ ترین بنیادی حقیقت کو سامنے رکھ لینا کافی ہے کہ ہر قابل لحاظ پیداواری عمل میں دو عوامل تو اساسی اور بنیادی طور پر لازماً شامل ہوتے ہیں، یعنی محنت اور سرمایہ، اور ایک تیسرا عامل بھی خواہ ثانوی درجہ ہی میں سہی بہرحال کسی نہ کسی حد تک ضرور موجود ہوتا ہے، یعنی ''موقع'' یا چانس۔ اور مالی معاملات میں شریعت الٰہی میں حلّت اور حرمت کا اصل الاصول یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ زور بھی انسانی محنت پر دیا گیا ہے اور زیادہ سے زیادہ تحفظ بھی اسی کو فراہم کیا گیا ہے جبکہ سرمایہ کو بروئے کار آنے کی اجازت تو دی گئی ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام

کے ﴿ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴾ جنات کے مانند کسی قدر پابند سلاسل کر کے' تا کہ یہ پیداواری عمل میں مناسب حصّہ تو ادا کرے' لیکن نہ محنت کا استحصال کر سکے نہ محنت کے بغیر محض موقع یا چانس کے رسک کے ذریعے افزائش وافزودگی حاصل کرنے کی کوشش کر سکے' اس لئے کہ انہی دو ذرائع کی بنا پر سرمایہ پوری معیشت پر آکاس بیل کی طرح مسلط ہو جاتا ہے۔

ان میں سے جہاں تک مؤخر الذکر معاملے کا تعلق ہے اس کی حکمت وعلّت تو اظہر من الشمس ہے' یعنی سرمایہ جب بغیر محنت کے محض موقع اور چانس کے رسک یعنی ''داؤ'' کے ذریعے کمائی کی کوشش کرتا ہے تو اس سے زیریں اور انفرادی سطح پر تو محنت و مشقت سے فرار اور حقائق سے گریز کا وہ رجحان پیدا ہوتا ہے جو

''مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اِک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہئے''

کے مصداق نشہ آور چیزوں کے استعمال کی اصل غرض وغایت ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے جوئے کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ اور سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰'۹۱ میں ''خمر'' یعنی شراب کے ساتھ بریکٹ کیا ہے!) اور معیشت کی اجتماعی اور بالائی سطح پر اشیائے صرف کی قیمتوں میں بے جواز اضافے اور ان میں اچانک کمی بیشی کے ذریعے منڈی کے عدم استحکام کے مہلک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ایک جانب جوئے' سٹے اور لاٹری کے قبیل کی جملہ چیزوں کو حرام مطلق قرار دیا اور دوسری جانب مستقبل کے سودوں کے ضمن میں سخت پابندیاں عائد کر دیں۔ چنانچہ بیع وشراء یعنی خرید وفروخت کی بہترین اور پسندیدہ صورت تو یہ قرار دی کہ صرف حاضر اور موجود مال کا سودا ہوتا کہ مبادلہ دست بدست ہو جائے' لیکن اگر کسی سماجی ضرورت کے تحت کوئی مستقبل کا سودا کیا جائے تو کل طے شدہ قیمت کا کوئی حصّہ یعنی دس یا بیس فیصد نہیں بلکہ کل کی کل قیمت فوری طور پر ادا کر دی جائے تا کہ سرمایہ کو اپنی اصل قدر اور مالیت سے زیادہ کا کاروبار کرنے یعنی Over trading کا موقع نہ مل سکے (اسے فقہ اسلامی

میں ''بیع سلم'' کہتے ہیں)۔

البتہ سود کی حرمت کا معاملہ ذرا زیادہ قابلِ غور ہے۔ اس کی حکمت وعلت کو سورۃ الروم کی آیت ۳۹ میں حد درجہ اختصار اور غایت درجہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سود یا ربا یہ ہے کہ کسی شخص کا سرمایہ کسی دوسرے شخص کے مال میں نشوونما پائے اور افزائش و افزودگی حاصل کرے۔ ﴿لِيَرْبُوَا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ﴾۔ اور یقیناً یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سود کو ''زنا'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لئے کہ زنا کی صورت میں بھی مرد کا نطفہ اپنی منکوحہ بیوی کی بجائے ناجائز طور پر کسی دوسری عورت کے رحم میں پرورش پاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شریف انسان زنا کا تو لفظ بھی زبان پر لانے سے ہچکچاتا ہے جبکہ سود کو عام طور پر ماں کے دودھ کے مانند مباح بنا لیا گیا ہے' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ زنا کے بُرے اثرات زیادہ تر انفرادی یا معاشرے کی زیریں سطح تک محدود رہتے ہیں جبکہ سود کے ذریعے ''سرمایہ داری'' کی لعنت پورے معاشرے پر آکاس بیل کی طرح چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے سود کو زنا سے سینکڑوں گنا زیادہ قبیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ)) (عن ابی ہریرۃؓ)

''ربا کے گناہ کے ستر حصے ہیں جن میں سے سب سے چھوٹا اور حقیر حصہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے!''

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سود پر اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی جانب سے اعلانِ جنگ کی بایں الفاظ وعید سنائی ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (البقرہ: ۲۷۹)

''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے''۔

اس معاملے کو سادہ ترین انداز میں یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ذاتی سرمائے سے کاروبار کر رہا ہو اور اس میں محنت بھی یا صرف اس کی اپنی ہو یا

دوسرے انسانوں سے معین روزانہ اجرت یا ماہانہ تنخواہ کے عوض' تو اس معاملے میں نہ کوئی معاشی یا مالیاتی پیچیدگی ہے نہ شرعی قدغن۔ اسی طرح اگر بہت سے لوگ اپنا سرمایہ بھی جمع کرلیں اور سب مل جل کر کام بھی کریں اور نفع ونقصان میں شریک ہو جائیں تو یہ ''شراکت'' بھی ہر اعتبار سے حلال وطیب ہے اور اس کی اساس پر بڑے سے بڑے پیمانے پر تجارت اور صنعت کا کام کیا جا سکتا ہے۔ اصل مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں محنت کسی اور کی ہو اور سرمایہ کسی اور کا۔ چنانچہ اس معاملے میں اکبرالہٰ آبادی کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
شریعت' عقل' منطق سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اپنی ابتدائی صورت میں تو بڑی ''معصوم'' نظر آتی ہیں لیکن ان کے نتیجے میں معاشرے میں طبقاتی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے اور ظلم' جبر اور استحصال کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

ان پیچیدگیوں کے ضمن میں شریعتِ اسلامی کا اصل الاصول تو یہ ہے کہ اس کے نزدیک سرمایہ کو As such یعنی محض سرمائے کی حیثیت سے ''کماؤ'' یعنی Earning Agent تسلیم کیا جانا ''ناپسند'' ہے۔ چنانچہ اس کی ایک انتہائی صورت کو تو اس نے سود یا ربا قرار دے کر صرف حرامِ مطلق ہی نہیں بلکہ اتنا حرام قرار دیا ہے کہ سوائے شرک جلی کے کوئی اور عمل اتنا حرام نہیں ہے۔ اور ایک صورت کو سماجی ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے تو اس میں سرمائے کے لئے رسک کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ محض منفعت کا طالب سرمایہ بھی اس کی جانب رخ ہی نہیں کرے گا۔

چنانچہ سود یا ربا تو یہ ہے کہ سرمایہ محض سرمائے کی حیثیت میں منفعت کا طالب ہو' نقصان کا رسک بالکل قبول نہ کرے اور منفعت بھی ایک معین شرح پر طلب کرے۔ یہ معاملہ خواہ نجی ضرورتوں کے سلسلے میں یعنی Usury کی صورت میں ہو' خواہ کسی تجارتی یا صنعتی معاملے میں' یعنی Commercial interest کی صورت میں ہو' یکساں

طور پر حرام مطلق' اپنی شناعت اور خباثت میں ماں کے ساتھ بدکاری سے سینکڑوں گنا زیادہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے! اس لئے کہ اس صورت میں سرمایہ دار کا سرمایہ دوسرے لوگوں کے مال میں شامل ہو کر ان کی محنت اور مشقت کے طفیل افزائش اور افزودگی حاصل کرتا ہے اور اس طرح گویا پیسہ بغیر محنت اور نقصان کے رسک کے محض پیسے کی حیثیت سے پیسے کو کھینچتا چلا جاتا ہے جس سے ارتکازِ زر کی صورت پیدا ہوتی ہے اور دولت اور سرمایہ چند ہاتھوں میں جمع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اجتماعی سطح پر تو معاشرے میں محبت اور اخوت کی بجائے نفرت و عداوت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور تعاضد اور تعاون کی بجائے کشاکش اور تصادم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور انفرادی اعتبار سے سود خور انسان درندوں اور خون چوسنے والی چمگادڑوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال۔

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نداند لذتِ قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ' دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ

یعنی ''سود جیسی اُم الخبائث کے بطن سے آخر فتنوں کے سوا اور کیا چیز جنم لے سکتی ہے! افسوس کہ لوگوں کو قرضِ حسنہ (یعنی ایسا قرض جس میں صرف اصل زر ہی کی واپسی کا وعدہ ہو' بغیر کسی اضافے کے!) کی لذت کا احساس و ادراک حاصل نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سود سے انسان کا باطن تاریک اور دل اینٹ پتھر کے مانند سخت ہو جاتا ہے اور انسان درندوں کی طرح کے پنجوں اور دانتوں کے بغیر فی الواقع درندہ بن جاتا ہے''۔

سرمایہ کے محض سرمائے کی حیثیت سے نفع کے مستحق ہونے کی جس صورت کو شریعت اسلامی نے بدرجہ آخر اور کراہت کے ساتھ (اس کی وضاحت بعد میں آئے گی) جائز قرار دیا ہے وہ ''مضاربت'' کا معاملہ ہے' جس میں سرمایہ کسی اور (ربّ المال) کا ہوتا ہے اور محنت کوئی اور (مضارب عامل) کرتا ہے۔ اس صورت میں اگر

نفع ہوتو وہ ان دونوں کے مابین پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس طرح گویا اس معاملے میں سرمایہ کو محض سرمائے کی حیثیت سے ''کماؤ'' (Earning agent) تسلیم کرلیا گیا ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ Master stroke بھی صرف حکمت الٰہی اور حکمت نبویؐ ہی کے لئے ممکن تھا کہ اس ''شر'' کی تلافی اس طرح کر دی گئی کہ اگر نقصان ہو جائے تو وہ سارے کا سارا ربّ المال یعنی سرمایہ دار برداشت کرے گا' مضارب عامل پر کسی قسم کے نقصان کی کوئی ذمہ داری یا تاوان عائد نہیں کیا جائے گا! لہٰذا سود خورانہ ذہنیت کے حامل شائیلاک اس صورت کی جانب کبھی رجوع ہی نہیں کر سکتے' بلکہ یہ صورت صرف ایسے لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں جن میں ذاتی جلب منفعت کے ساتھ ساتھ اور کم از کم اس کے مساوی اور برابر اپنے کسی بھائی کی مدد کا جذبہ بھی موجود ہو۔

مضاربت کے اصول پر کوئی شخص اپنا سرمایہ کسی دوسرے شخص (عامل) کے حوالے ظاہر ہے کہ صرف دو صورتوں میں کر سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ خود کام کرنے سے معذور ہو اور دوسرے یہ کہ وہ خود کسی اور کام جیسے ملازمت وغیرہ میں مشغول و مصروف ہو اور اس کے پاس ''بچت'' کی صورت میں کچھ فاضل سرمایہ جمع ہو جائے۔ پہلی صورت میں ایک غیور اور خوددار شخص لازماً یہ چاہے گا کہ بجائے اس کے کہ جو تھوڑی بہت پونجی اس کے پاس ہو اسے کھا کر ختم کر دے اور اس کے بعد ''یقینی'' طور پر زکوٰۃ و صدقات کے مستحق لوگوں میں شامل ہو جائے' کیوں نہ اپنی پونجی کو مضاربت کے اصول پر کسی قابل اعتماد شخص یا ادارے کے حوالے کر دے تاکہ اللہ کو منظور ہو تو اس کی گزر بسر زکوٰۃ و صدقات کے بغیر ہی ہوتی رہے۔ رہی دوسری صورت تو یہ فاضل سرمایہ ہی اصل میں اسلامی معاشیات کی وہ ''قدرِ زائد'' ہے جس کے ضمن میں اسلام کی ایمانی و احسانی اور فقہی و قانونی تعلیمات کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو اس کے حامل کے سامنے چار راستے کھلے ہیں: